داعی الی القرآن :

اَللّٰهُ

نَزَّلَ

اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ

كِتَابًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ الخ ۳۹/۲۳

> حضرت علی سلام علیہ کا فرمان ہے۔ "اور قرآن کا علم حاصل کرو کہ وہ بہترین کلام ہے اور اس میں تفکر کرو کہ وہ دلوں کی بہار ہے اور اس کے نور سے شفا حاصل کرو۔ پس وہ سینوں کے لئے شفا ہے۔ اور اس کی اچھی تلاوت کرو، پس وہ نفع دینے والے قصص ہیں وہ عالم جو اپنے علم پر عمل نہ کرے اُس سرگشتہ جاہل کی طرح ہے جو کسی طرح اپنے خواب غفلت سے بیدار نہ ہو۔ اس کی پکڑ سخت اور اس کے لئے آخرت میں اندوہ ہے۔ اور وہ اللہ کے نزدیک ملامت زدہ ہے" (خطبہ ۱۰۹، نہج البلاغہ صـ ۳۹۲)

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

اس کتاب احسن الحدیث کے آغاز میں بسم اللہ کے بجائے تعوذ اس لئے لکھا گیا ہے کہ اس کا قرآن حکیم میں ارشاد ہے کہ (اے مخاطب) "پس جب تم قرآن پڑھو تو شیطان رجیم سے اللہ کی پناہ مانگو" (سورہ النحل آیت ۹۸) فاذا قرأت القرآن کے بعد یہ نہیں فرمایا گیا کہ پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہا کرو ترجمہ احمد رضا خاں بریلویؒ کے حاشیہ میں ہے کہ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قرآن پاک کی آیت ہے مگر سورہ فاتحہ یا کسی اور سورہ کا جز نہیں" (صـ ۲)

جناب امین احسن اصلاحی مدظلہ نے بسم اللہ کی تاریخی حیثیت کے عنوان سے لکھا ہے۔ "چنانچہ نوح علیہ السلام کے متعلق خود قرآن مجید میں یہ نقل ہے کہ انہوں نے اپنے باایمان متعلقین اور اپنے ساتھیوں کو جب کشتی پر سوار کرایا تو اس وقت اس سے ملتے جلتے الفاظ کہے تھے
(اس نے) "کہا کہ اس (کشتی) میں سوار ہو جاؤ اس کا چلنا اور ٹھہرنا اللہ کے نام سے ہے بے شک میرا رب بخشنے والا ہے"۔ (سورہ ہود، آیت ۴۰)
اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ سبا کو جو نامہ لکھا ہے اس کا آغاز بھی انہیں مبارک کلمات سے کیا ہے چنانچہ قرآن مجید میں ہے انه من سليمان وانه بسم الله الرحمٰن الرحيم (نمل ۳۰) سلیمان کی طرف سے ہے اور اس کا آغاز بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے ہوا ہے"۔ (تدبر قرآن جلد اول ص۲۰)

کتاب کافی

سورہ الزمر کی میں پوچھا گیا ہے "کیا اللہ اپنے بندے کے لئے کافی نہیں ہے" (آیت ۳۶) اسی طرح سورۃ العنکبوت کی میں فرمایا ہے "اور کیا ان کے لئے کافی نہیں ہے کہ ہم نے (اے نبی) تیری طرف کتاب نازل کی ہے جو اُن کے سامنے پڑھی جاتی ہے۔ بیشک اس (کتاب) میں ماننے والی قوم کے لئے رحمت و نصیحت ہے" (آیت ۵۱) ان دونوں سوالوں کا جواب ہر مسلم و مومن کی طرف سے یہی ہوگا کہ جس طرح اللہ رب العالمین اپنے بندے کے کافی ہے۔ اس طرح اللہ کی آخری کتاب بھی کافی ہے۔

ترکہ رسالتماب

خطبہ حجۃ الوداع ۱۰ھ مطابق ۶۳۱ء میں رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "میں تم میں ایک چیز چھوڑے جاتا ہوں۔ اگر تم نے اس سے تمسک رکھا تو کبھی گمراہ نہ ہوگے وہ کتاب اللہ ہے"۔ (مسلم و نسائی و ابو داؤد بحوالہ انتخاب حدیث ص۱۵۳)
صحیح بخاری باب ۸ حدیث ۱۱ میں ہے کہ ابن عباسؓ نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں چھوڑا، سوائے جو بین الدفتین (کلام الٰہی) ہے۔ محمد بن الحنفیہ نے بھی یہی کہا ہے کہ قرآن کی جلد میں جو کچھ ہے اس کے علاوہ آپؐ نے اور کچھ نہیں چھوڑا (کتاب التفسیر بخاری جلد سوم ص۵۴۴)
باب ۱۰ حدیث نمبر ۱ میں ہے کہ "حضورؐ نے کتاب اللہ پر عمل کرنے کی وصیت فرمائی ہے۔
حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پہلے خطبہ کی آخری سطور میں ہے "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تم میں وہی

چھوڑا جو انبیاء نے اپنی امتوں میں چھوڑا تھا۔ کیونکہ انبیاء نے اپنی امتوں کو یوں بغیر کسی روشن راستے اور مستقل نشانی کے نہیں چھوڑا" (نہج البلاغہ حصہ اول صفحہ ۱۲۸)

خطبہ ۵۵ امیں حضرت علیؑ کا فرمان ہے کہ تم پر کتاب اللہ لازم ہے پس وہ مضبوط رسی ہے اور نور مبین ہے اور شفاء مفید ہے اور پیاس کو سیرابی ہے جو اس سے تمسک کرے اس کے لئے حفاظت ہے جو اس سے تعلق ہو جائے اس کے لئے نجات ہے"۔ (نہج البلاغہ حصہ اول صفحہ ۵۰۲)

اسوۂ رسولؐ خطبہ ۱۵۹ میں حضرت علیؑ نے فرمایا ہے کہ "سیرت النبیؐ کی پیروی کرنا تمہارے لئے (اسوۂ رسولؐ) کافی ہے (پس) اے مسلمانو! اپنے طیب و طاہر نبی کی پیروی کرو۔ اس لئے کہ پیروی کرنے کے لئے اسوہ ہے" (نہج البلاغہ حصہ اول صفحہ ۵۱۳/۵۱۲)

قرآن کو سمجھنے کی قوت

صحیح بخاری کتاب الدیات میں ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا "قسم ہے اس کی جو دانہ کو پھاڑ کر درخت اگاتا ہے ۶/۹۹ جو جان کو (جسم کے اندر) پیدا کرتا ہے قرآن کے سوا میرے پاس کچھ نہیں لیکن قرآن کے سمجھنے کی قوت (فہم) یہ دولت جس کو چاہے دے۔ اور بھی چند حدیثیں ہیں (صحیح بخاری کتاب الدیات صفحہ ۸۰۴۹ جلد ۱)

اس موقع پر علی مرتضیٰ نے جو قسم کھائی ہے اس میں ایک خاص نکتہ ہے یعنی قرآن کی آیتوں کی مثال تخم اور جسم کی ہے اور اس کے معنی و مقصود کی مثال درخت کی ہے جو اس تخم سے پیدا ہوتا ہے اور جان کی مثال ہے جو جسم میں چھپی رہتی ہے۔ تمام اعمال انسانی کا ظہور اسی سے ہوتا ہے۔ اسی طرح قرآن پاک کے الفاظ جو بمنزلہ جسم کے ہیں۔ ان سے معانی و مطالب نکلتے ہیں (نہج البلاغہ حصہ اول صفحہ ۹۸)

"کسی قوم کی گمراہی کے لئے یہ بات کافی ہے کہ جو کچھ اس کا نبی لایا، اسے چھوڑ کر ایسی چیز کی طرف رغبت کرے جو ان کے نبی کا غیر لایا ہو" (تفسیر صافی صفحہ ۱۸۷)

تمسک بالقرآن

سورۂ اعراف آیت ۱۷۰ میں فرمایا ہے۔ "اور وہ لوگ جو کتاب (قرآن) سے تمسک رکھتے ہیں اور صلوٰۃ قائم کرتے ہیں۔ بلاشبہ ہم اصلاح کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے" ۷/۱۷۰ یعنی قرآن کے ساتھ تمسک رکھنے والے

اور صلوٰۃ قائم کرنے والے ہی مصلحین ہیں اور ان کا اجر ضائع نہیں ہوتا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے "قرآن کی رسی کو مضبوطی سے پکڑو (وتمسک بحبل القرآن) قرآن سے نصیحت حاصل کرو جوکہ اس نے حلال کر رکھا ہے اسے حلال سمجھو۔ جو کچھ اس نے حرام ٹھہرایا ہے اُسے حرام جانو الخ (نہج البلاغہ حصہ دوم صفحہ ۸۳)

سید العلماء السید علی نقی النقوی نے مقدمہ تفسیر قرآن میں لکھا ہے کہ "قرآن مجید یقیناً خلق خدا کے لئے ہدایت بن کر آیا تھا اور دنیا کو صحیح راستہ دکھانے کا ذریعہ ہے جس کا پہلے ہی پارہ میں اعلان موجود ہے "ھدی للمتقین" ۲ یہ "یہ بنا ہے پرہیز گاروں کے لئے" دوسرے مقامات پر کہیں ضیاء (روشنی) کہیں ذکر (یاد آوری کا ذریعہ ہے) کہیں تبصرہ (آنکھیں کھولنے والا) شفاء لما فی الصدور (سینوں کے باطنی امراض شک وشبہ کفر ونفاق وغیرہ کا علاج) کہیں فرقان (حق وباطل میں جدائی ڈالنے والا) کہیں بیان (حقیقتوں کا واضح کرنے والا) وغیرہ وغیرہ کہا گیا ہے جس سے مجموعی طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ یقیناً وہ عام خلق خدا کو فائدہ پہنچانے کے لئے اتارا گیا ہے اور دنیا کو اس کے مندرجہ مضامین پر غور کرنے اس سے نتیجے نکالنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی ہدایت ہے۔ وہ بطور اوراد داعیہ کے لئے زبانوں سے تلاوت کر لینے اور بطور تعویز ونقش کے گلے میں ڈال لینے اور بطور ایک محترم ومقدس چیز کے سر آنکھوں پر رکھ لینے بوسہ دے لینے کے لئے نازل نہیں ہوا ہے بلکہ اس لئے ہے کہ اس کے مطالب وحقائق کا درس لیا جائے اور اس میں غور وخوض کیا جائے۔ نیز اس سے اپنی عملی زندگی کے لئے سبق حاصل کئے جائیں۔ یہی وہ چیز ہے جس کے معنی "تمسک بالقرآن" کے ہیں۔ لوگوں نے تمسک بالقرآن کے معنی نہ جانے کیا سمجھ لئے۔ لیکن اس کے حقیقی معنی یہی ہیں کہ اپنی عملی زندگی میں اس کے ہدایات کی پابندی کی جائے اور کوئی قول وعمل اس کے خلاف اختیار نہ کیا جائے۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ قرآن مجید ایک خاموش رہنما ہے۔ اس میں اکثر مضامین بطور اجمال واختصار بیان ہوئے ہیں۔ لہٰذا اس کے ساتھ تمسک کے واسطے ناطق بات کرنے والا معلم اور ہادی کی ضرورت ہے۔ جو اس کی تعلیمات کو اپنے قول وعمل سے دنیا کے ذہن نشین کرکے اس کے مجملات کو بیان کرے اور اس کی مہمات کی توضیح کرے۔ یہ معلم وہادی اپنے زمانہ میں رسول عربی پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم تھے (مقدمہ تفسیر القرآن صفحہ ۱۴۳)

احسن الحدیث

سورہ الزمر کی آیت ۲۳ میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بہترین کلام (احسن الحدیث) نازل فرمایا ہے

(خبروں سے بھرپور کتاب ہے (جو دوسری کتب مقدسہ سے) مشابہ ہے۔ دہرائی گئی (شانی) ہے (اس کی تاثیر یہ ہے کہ) اس سے لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور ان کے بدن اور ان کے دل اللہ کے ذکر کے لئے نرم ہوجاتے ہیں یہ اللہ کی ہدایت ہے۔ اس کے ذریعے وہ رہنمائی کرتا ہے جس کو چاہتا ہے اور جسے اللہ (اس کی آہنی گمراہی پر) اسے گمراہ ٹھہرا دے تو اس کے لئے کوئی ہدایت کرنے والا نہیں ہے۔ ۳۹/۲۳

بخاری باب ۶۲۶ حدیث نمبر ۱۳۰۱ میں ہے کہ بہتر حدیث کتاب اللہ ہے اور بہتر طور طریق (احسن الھدی) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا طور طریق ہے۔ (کتاب الادب صحیح بخاری مترجم جلد سوم ص ۳۶۱)

اسماء القرآن قرآن مجید کے ناموں میں ایک نام احسن الحدیث بھی ہے اور اس کے معنی ہیں بہترین کلام۔ احسن افعل التفضیل ہے جس پر تمام خوبیاں اور فضائل ختم ہوجاتے ہیں اور حُسن کے لحاظ سے وہ ہر خوبی اور کمال کا جامع ہو۔ کسی کلام کا احسن ہونا مختلف پہلوؤں سے ہوسکتا ہے۔

اول یہ کہ اس کلام کا متکلم کون ہے؟ جو عظمت اور شان متکلم کی ہوگی وہی عظمت اس کے کلام کی ہوگی۔ اسی لئے کہتے ہیں کہ کلام الملوک ملوک الکلام۔ پس اس حیثیت سے قرآن کریم کی شان اور عظمت کا کیا کہنا وہ اللہ جل شانہ کا کلام ہے اس لئے وہ اپنے اندر صفاتِ کاملہ کو لئے ہوئے ہے جو خود حضرت باری عزاسمہ میں ہیں۔

دوم کلام کے احسن الحدیث ہونے کا یہ بھی ایک پہلو ہے کہ وہ اپنے اسلوب بیان اور ربط کلام اور قوت تاثیر میں بے نظیر ہو۔ امر اس سے ظاہر ہے کہ قرآن مجید نے اپنے نزول کے وقت تحدی کی کہ اگر تم کو اس وحی الٰہی میں کسی قسم کا شبہ ہے تو اس کا مقابلہ کر دکھاؤ ۲/۲۳ وغیرہ اور آج تک کسی شخص یا قوم کو یہ ہمت نہ ہوئی کہ اس کا مقابلہ کرسکے۔

سوم احسن الحدیث کا یہ بھی ایک پہلو ہے کہ جس مضمون کو بیان کیا جائے وہ اپنے سارے پہلوؤں میں ایسے رنگ میں جامع اور مانع ہو کہ اس میں ساری خوبیاں اور کمالات موجود ہوں۔

چہارم یہ کہ احسن الحدیث میں صرف اسلوب بیان میں کامل اور بلیغ نہ ہو بلکہ وہ ہر قسم کے حشو وزوائد سے بری ہو۔ اور ایسا سہل اور آسان ہو کہ ہر شخص اس سے اپنے علم وفکر کے لحاظ سے فائدہ اٹھا سکے۔

پنجم یہ کہ احسن الحدیث میں کلام کے جملہ علمی وعملی مراتب موجود ہوں۔

سورۂ الزمر کی آیت ۲۳ میں احسن الحدیث کے تمام مراتب کو جمع کر دیا گیا ہے اور قرآن کریم کا نام احسن الحدیث رکھا۔ پھر اور کتابا متشابہا اور مثانی میں اس کے نام فرمائے مگر یہاں در اصل احسن الحدیث کے تمام پہلوؤں کو کو جمع کر دیا ہے۔ اس کی تاثیرات قدسی کے لحاظ سے اس کا مقام یہ ہے کہ وہ اپنے پڑھنے والوں کے قلوب و جبروت وجلال ربانی کا ایک ایسا اثر پیدا کرتی ہے کہ خوف اور خشیت الٰہی سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں قرآن کریم کا کیا عجیب ولذیذ اسلوب بیان ہے۔ خوف اور خشیت انسان کے قلب میں ضعف پیدا کرتی ہے۔ مگر یہاں فرمایا یخشون ربھم۔ ربوبیت جس قوت کو پیدا کرتی ہے وہ انسانی ترقیات کے لئے لازمی ہے۔ اور اس کے بغیر انسانی ربوبیت کے فیوضات خاصہ سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ اور اس حقیقت کو بھی اسی مقام پر کھول دیا ہے ثم تلین جلودھم الی ذکر اللہ یہ خوف اور خشیت ان کے قلوب اور اجسام میں ایسی لنیت (نرمی) پیدا کر دیتی ہے کہ ذکر اللہ میں متوجہ ہو جاتے ہیں۔ ان کے قلوب اور اجسام پر خدا تعالیٰ کی حکومت قائم ہوتی ہے۔ اور کوئی قول و فعل اور حرکت ان سے ایسی سرزد نہیں ہوتی جو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہو۔ غرض یہ احسن الحدیث کا تاثیری پہلو ہے۔ (باقی آئندہ)

بقیہ صفحہ ۲۹ سے آگے

نہیں ہے جو زیر بحث نہ آیا ہو۔ ایک مجتہد کے لئے اس کا علم بہت ضروری ہے اس کے بغیر وہ شریعت اور احکام الٰہی کی رسم اور ان کے اسرار سے واقف نہیں ہو سکتا غالباً شاہ صاحب علما مجتہدین میں پہلے مفکر ہیں جن کے ہاں اقتصادی عوامل اور معاشی حرکات عمل اس اہمیت سے کارفرما نظر آتے ہیں۔

غرضیکہ شاہ صاحب نے مذہب، فلسفہ، تصوف، علم کائنات، فلسفہ اخلاق، انسانی نفسیات اور روحانی لطائف وکیفیات کو منطقی طریقہ استدلال کے ذریعے اس طرح باہم دگر غلط ملط کر دیا ہے کہ یہ سب ایک ہی کل کے اجزا اور عناصر نظر آتے ہیں، بے شبہ ان کا یہ کارنامہ اس قدر عظیم ہے کہ اس میدان میں ان کی شخصیت بے مثال اور منفرد نظر آتی ہے۔ یہ سب چیزیں ایک مجتہد کی پرواز کے لئے ایک وسیع فضا مہیا کرتی ہیں۔ مولانا عبیداللہ سندھی صحیح فرماتے تھے کہ شاہ ولی اللہ اور کارل مارکس دونوں اپنے اپنے عہد کے عظیم مفکر تھے اور اپنے فکر کی اساس پر ایک انقلاب پیدا کرنا چاہتے تھے ایک نے حجۃ اللہ البالغہ لکھی اور دوسرے نے (DAS CAPITAL) مرتب کی لیکن کارل مارکس کو ایک حکومت مل گئی تو اس سے (DAS CAPITAL) نے ایک عظیم انقلاب پیدا کر دیا۔ اور شاہ ولی اللہ کو بدقسمتی سے کوئی حکومت نہ مل سکی۔ اس بنا پر حجۃ اللہ البالغہ صرف ایک فلسفہ ہو کر رہ گئی بقول اکبر الہ آبادیؒ

نہ ہو مذہب میں گر زور حکومت
تو وہ مذہب نہیں اک فلسفہ ہے